اسلام پر جی ایم سیّد کے اعتراضات

جناب سیّد پروفیسر محمد سلیم صاحب

محمد موسیٰ بھٹو نے "جی ایم سیّد، ایک تجزیہ، ایک مطالعہ" نامی کتاب مجھے مطالعہ کے لیے بھیجی۔ اس کتاب میں ان مختلف اعتراضات کا ذکر ہے جو جی ایم سیّد نے اسلام پر کیے ہیں۔ ذیل میں ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں اور پہلے قانونِ شریعت کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔

قانونِ شریعت انسانی عقل انفرادی ہو یا اجتماعی ابھی ترقی پذیر ہے۔ بعض حقیقتوں تک اس کی رسائی ہوگئی ہے اور بعض ابھی تک اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ مادی اشیاء کی حقیقت تک وہ آسانی سے پہنچ سکتی ہے لیکن عمرانی دنیا میں انسانی اور معاشرتی مسائل کی حقیقت تک پہنچنے میں اسے صدیاں لگ جاتی ہیں۔

۱۵۰۷ء میں پرتگالی امریکہ کے جزیرہ ٹباگو (TOBAGO) سے ایک نشہ آور پودا لائے اور انہوں نے سارے برصغیر میں پھیلا دیا۔ یورپ، ایشیا، دنیا کے دوسرے ممالک میں پھیلا دیا۔ اس طرح نسلِ انسانی کو تمباکو کے نشہ کا عادی بنا دیا۔ اب ڈاکٹروں کی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ مختلف امراض پیدا کرتا ہے۔ اب یہ طے ہوا ہے کہ سگرٹ کے پیکٹ دوا فروش بیچیں اور ہر پیکٹ پر "زہر" لکھا جائے تا کہ لوگ اس سے بچیں۔ یہ دریافت پونے چار سو سال بعد ہوئی۔ تقریباً چار صدیوں تک لوگ اس زہر کو کھاتے رہے۔ اسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں آکر محض نفع خوری کے نقطۂ نظر سے افیون کی خوب کاشت کرائی اور پھر اس کو پہلے ہندوستانیوں کو کھلایا اور پھر اہلِ چین کو — اور جب اہلِ چین نے مزاحمت کی تو ان سے جنگ کی۔ پہلی افیون کی جنگ (۴۲-۱۸۴۰ء) میں اور دوسری افیون کی جنگ ۱۸۵۶ء میں ہوئی

اب موجودہ حکومت نے اپنی قوم کو افیون سے نجات دلائی ہے۔ انسان اس طرح صدیوں تجربہ میں وقت گزار کر لاکھوں انسانوں کا نقصان کر کے اس حقیقت پر پہنچتا ہے۔ تب وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مفید ہے یا مضر ہے۔

دو صدیاں "ہم جنسی" کی ذلیل قسم کی شہوت رانی کرنے کے بعد اب معلوم ہوا کہ یہ "ایڈز" کے لاعلاج مرض کو پھیلانے کا وسیع الاثر ذریعہ ہے، جس کا انجام صرف موت ہے۔ انسانوں کی تو رفتار کار یہ ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کا فرستادہ رسولؐ برتر ذریعۂ علمِ وحی سے پہلے ہی سے لوگوں کو بتا دے کہ نشہ ہر قسم کا حرام ہے۔ اس کے قریب نہ جاؤ۔ زناکاری اور ہم جنسی بُری چیز ہے۔ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں تو انسانیت کے حق میں اس کا متنبہ کر دینا کیا بہتر نہیں ہے؟ اوّل تو بہت سے اُمور کی عمرانی دنیا میں انسان کو حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور بالفرض معلوم بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں صدیاں بیت جاتی ہیں۔ اس لیے رحیم و کریم خداوند تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی کہ چند چیزوں کو حرام قرار دے دیا۔ چند کو حلال کر دیا۔ اور چند اُمور کو انسان اپنے تجربہ سے خود ہی اپنے طور پر معلوم کر سکتا ہے، ان کو انسان کے لیے چھوڑ دیا۔ شریعت نے یہ نہیں بتایا کہ زہر کھانا حرام ہے، اس لیے کہ یہ امر انسان خود ہی معلوم کر سکتا ہے۔ اس لیے شریعت کا قانون انسانوں کے لیے رحمت ہے۔ نادان ہیں وہ لوگ جو اس کی حکمتوں کو چیلنج کرتے ہیں۔

مساعی نفاذِ شریعت پر اعتراض

اعتراض — "پاکستان میں ملّا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کے لیے ان فرسودہ قوانین کو دوبارہ مروّج کرنے کے لیے کوشاں ہیں"۔

اسلامی قانون تمام اسلامی ملکوں میں گذشتہ ۱۴ صدیوں سے رائج تھا۔ مغرب کی قوموں نے غلبہ پانے کے بعد اس کو ختم کر دیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد مسلمان ممالک آزاد ہو گئے۔ اب ان کے اندر انفرادیت اور خود شعوری کا جذبہ اُبھر رہا ہے۔ اس لیے وہ رومن لا کو پھینک کر اپنا قانونِ شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

شریعت کے قانون کی اہمیت اور برتری اب غیر مسلموں پر بھی واضح ہوتی جا رہی ہے۔ لنکن بار (LINCOLIN BARR) کے ہال (انگلستان) میں جن چار بڑے بڑے قانون سازوں کے نام درج ہیں، ان میں سب سے اوّل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی ہے۔ برلن میں بین الاقوامی

قانون کے ادارہ کا نام "امام حسن بن شیبانی انسٹی ٹیوٹ" ہے۔ یہ اسلامی قانون کی عظمت کا اعلان ہے۔

حرمتِ سود

اعتراض ہے "شریعت کا قانون ناکارہ ہو گیا۔ آج کل سود کے بغیر کاروبار نہیں چل سکتا۔ مسلمان ملکوں میں بھی سود کا کاروبار چل رہا ہے۔"

یورپ میں تو سرمایہ داری کے خلاف آواز انیسویں صدی میں کارل مارکس (۱۸۸۳-۱۸۱۸ء) نے اٹھائی ہے، لیکن اسلام نے ۱۴ سو سال قبل اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔[1] قرآن کہتا ہے:

"ایسا نہ ہو کہ مال تمہارے سرمایہ داروں کے درمیان ہی گردش کرتا رہے۔"

(حشر - ۷)

تشخیص ہو جانے کے بعد بھی یورپ میں علاج کے لیے صحیح قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس لیے کہ یورپ کے تمام ملکوں پر یہودی سود خواروں کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔ اسلام نے سرمایہ داری کے انسداد کا صحیح علاج بھی بتایا۔ اس نے ہر قسم کے سود کی ممانعت کر دی۔ جب مسلمان ممالک آزاد ہوئے اور ان کے اندر خود شعوری کا جذبہ ابھرا تو انہوں نے سود کو حرام قرار دینے کے لیے اقدامات کیے۔ گذشتہ ایک عشرہ سے اس سلسلہ میں بہت پیش رفت ہوئی۔ کئی ملکوں میں بلاسود بنک کاری پر تجربہ ہو رہا ہے۔ مغرب میں بھی ایسے بنک قائم ہو چکے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ تجربات بہتر شکل اور معیار اختیار کر لیں گے۔

اس لیے سود کو حرام قرار دینا تو اسلام کی رحمت ہے، انسان کے لیے۔

حرمتِ قمار (جوا)

بلاشبہ اسلامی ملکوں میں جوا جاری ہے، حالانکہ اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے، مگر یہ سب استعمار کی غلامی کے اثرات ہیں۔ سرمایہ دار جہاں سود کے ذریعے غریبوں کا خون چوستا ہے، وہاں جوئے اور لاٹری سے تو بدرجۂ اولیٰ چوستا ہے۔ اسلام نے جب سود کو حرام قرار دیا ہے تو جوئے کو بھی ضرور حرام رہنا چاہیے۔ یہ بھی انسانوں کے لیے رحمت ہے۔

---

[1] اور ایسا نظام نافذ کر کے اور خدا پرست معاشرہ قائم کر کے عملاً دکھا دیا کہ اسلام کے سایہ میں سرمایہ داری نشوونما نہ پا سکی۔ (مدیر)

حرمتِ شراب

قتلِ انسان اگر حرام ہے تو شعور، عقل و فہم انسانی کا قتل بھی حرام ہونا چاہیے۔ اس لیے انسان مادی جسم کا نام تو نہیں ہے وہ تو شعور اور عقل کا نام ہے۔ دوسرے قانون ساز اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ اُنہوں نے قتلِ انسانی کو تو حرام قرار دیا، مگر قتلِ شعورِ انسانی کو حرام قرار نہیں دیا۔ اسلامی شریعت معاملات کو گہرائی میں دیکھتی ہے۔ اس نے قتلِ شعور کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

سُود، جُوا، شراب وہ اُمور ہیں جن میں انسانی عقلیں آج تک حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اُس نے انسانوں کا بھٹکتے رہنا گوارا نہیں کیا اور صحیح رہنمائی کی اور ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔

حُدود اللہ

اعتراض :- "شریعت نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا۔ زنا کی سزا سنگسار کرنا، قتل کی سزا قتل کرنا قرار دیا ہے، لیکن موجودہ دور ان سزاؤں کو وحشیانہ قرار دے کر رَد کر چکا ہے"۔

مجرم کو سزا دینے کا مقصد جرم کا انسداد کرنا ہے۔ مجرموں کو شرعی سزا دینے سے جرائم کا انسداد بخوبی ہوتا ہے۔ جس کو مشاہدہ کرنا ہو وہ سعودی عرب میں جا کر کر سکتا ہے۔ اور "مہذب اور شریفانہ" سزاؤں سے جرائم کس ہولناک نسبت سے فروغ پا رہے ہیں۔ اس کا مشاہدہ کرنا ہے تو امریکہ میں جا کر کریں۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ جرائم کا انسداد چاہتے ہیں یا فروغ؟

آج کل جرائم سے متعلق غور و فکر کے حلقوں میں یورپ میں یہ موضوع بھی زیرِ بحث ہے کہ ہماری جرائم میں سزا بڑی ہو یا چھوٹی؟ ایک مرتبہ سزا دے کر قصہ ختم کر دینا بہتر ہے، یا سالوں جیل خانہ میں سڑانا، اس کو اور اس کے خاندان والوں کو سالوں نفسیاتی اذیت دینا اور اس کو نفسیاتی امراض میں مبتلا کرنا بہتر ہے؟ پہلا طریقہ اسلام نے رائج کیا ہے، دوسرا طریقہ یورپ میں رائج ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کسی شخص کو دلچسپی ہو تو نوبل انعام یافتہ (ALEXIS CARREL) کی کتاب REFL-ECTION کا مطالعہ فرمانا چاہیے۔

حجابِ نسواں

اللہ تعالیٰ نے طبعاً عورت پر یہ وظیفہ عائد کیا ہے کہ وہ بچہ پیدا کرتی ہے۔ اس کی پرورش کرتی ہے۔ دوسرے تمام جانوروں کے مقابلے میں انسانی بچہ کافی عرصے کے بعد جسمانی اور ذہنی بلوغ کو پہنچتا ہے۔ اس سارے عرصہ میں ماں یعنی عورت کا سایہ اس پر ہوتا ہے۔ مرد پر اس نوعیت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس لیے بیرونِ خانہ اُمور وہ انجام دیتا ہے۔ اسلام نے اس طبعی تقسیم کو قبول کر لیا ہے۔ اور روزگار کمانے کی ذمہ داری سے عورت کو محفوظ رکھا۔ بچوں کی پرورش اور تربیت ہی اس پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اور بیرونی کام اور روزگار کمانے کی ذمہ داری اسلام نے مرد کے ذمے لگائی ہے۔ یہ نہایت منصفانہ تقسیم ہے۔ دونوں کی ذمہ داریاں برابر ہیں۔

اب مغربی تہذیب نے عورت کو باہر نکالا، اس کو بھی کمانے پر لگایا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ عورت بچوں کی پیدائش اور پرورش بھی سنبھالے۔ اس لیے کہ اس کام میں تو مرد اس کا ہاتھ بٹا ہی نہیں سکتا۔ اور اس کے ساتھ وہ کمائی بھی کرے۔ مرد کے ساتھ اب عورت مل گئی۔ اس لیے کمانے میں مرد کا بار تو نصف رہ گیا اور عورت کا بار ڈیوڑھا ہو گیا۔ کیا یہ انصاف ہے؟ یہ عورت کی آزادی ہے یا اس پر ظلم ہے؟ دوسرا اس ناروا تقسیم کا بُرا اثر اولاد پر پڑا۔ اب ماں کو اپنی نوکری سے فرصت نہیں ملتی۔ وہ تربیت نہیں کر سکتی۔ اس لیے مغرب میں ناشائستہ اور غیر مہذب اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ جو ماں اور باپ کے حقوق ہی ادا نہیں کرتی، دوسروں کے کیا کرے گی۔

رہا پردہ کا سوال کہ اسلام نے اسے کیوں رائج کیا تو ذرا نفسیات کے ماہرین سے جا کر دریافت کیجیے۔ فرائڈ سے، ژنگ سے اور ایڈلر سے پوچھیے کہ راہ چلتے پھرتے ہر وقت جو آراستہ و پیراستہ عورت سامنے آتی ہے۔ اس کے کس قدر بُرے اثرات نفسِ انسان پر پڑتے ہیں۔ مغرب نے جنسی اشتہا کی تسکین کے تمام اسباب پیدا کر دیئے۔ سہولتیں مہیا کر دیں۔ سویڈن میں بازار میں جنسی دکانیں (SEX HOUSE) اس طرح جگہ جگہ کھلی ہوئی ہیں۔ جس طرح ہمارے شہروں میں حجاموں کی دکانیں کھلی ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی سب سے زیادہ امراض سویڈن میں ہیں۔ سب سے زیادہ خودکشی دنیا میں اگر کہیں ہوتی ہے، تو وہ سویڈن ہی میں ہوتی ہے۔

یہ تو اسلامی شریعت کا بہت بڑا احسان ہے نوعِ انسانی پر کہ اوّل تو اس نے عورت مرد کے درمیان منصفانہ

تقسیم قائم کر دی۔ پھر پردہ کا حکم دے کر انسانوں کو لاتعداد نفسیاتی اور اخلاقی جرائم سے محفوظ کر دیا۔

کثرتِ ازدواج

قدیم و جدید، مشرق و مغرب، ماضی و حال کبھی بھی مرد نے ایک عورت پر قناعت نہیں کی ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔ جہاں یک زوجگی کا قانون نافذ ہوتا ہے، وہاں کسی نہ کسی صورت میں زناکاری رائج ہوتی ہے۔ معاشرہ چشم پوشی کرتا ہے۔ اخلاقی اعتبار سے مجرم بنتا ہے۔ اسلام نے زناکاری کو ہر صورت میں ختم کر دیا۔ اس لیے اسلام نے چار شادی تک کی اجازت دے دی۔ یہ لازمی نہیں ہے، صرف مباح ہے۔ آج کے ایک شخص کے بیوی تو ایک ہے، مگر تین چار سے اس کے ازدواجی تعلقات ہیں۔ وہ زنا کرتا ہے۔ اب حقیقت کے اعتبار سے تو اس کے بھی ۴۔۵ بیویاں ہیں۔ گو جائز صرف ایک ہے۔ ازدواجی خدمت ۴، ۵ انجام دیتی ہیں۔ قانونی حقوق صرف ایک کو ملتے ہیں۔ وارث صرف ایک بنتی ہے۔ کیا یہ ان عورتوں کے حق میں ظلم نہیں ہے؟ حق تلفی نہیں ہے؟ اسلام یہ کہتا ہے کہ چار تک شادی کر سکتے ہو، چاروں کو معاشرہ میں برابری کے حقوق حاصل ہوں۔ قانونی حقوق حاصل ہوں۔ وراثت میں شریک رہیں۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجیے کہ کس کا قانون حق پسند ہے اور منصفانہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرتی معاملات میں انسان افراط و تفریط میں مبتلا رہتا ہے۔ انصاف اور حق صرف قانونِ شریعت سے حاصل ہوتا ہے۔

غلامی

محکوم قوموں کے ساتھ برتاؤ کے تین طریقے ملتے ہیں۔ ایک طریقہ ان کو فنا کر دینے کا ہے۔ امریکہ کے ہندوئے احمر، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی ماؤری نسل (MAORY) کا نام مٹ گیا۔ اب ان کو ایسے رکھا جاتا ہے جیسے بلوچستان میں مارخور کی حفاظت کی جاتی ہے۔ دوسرا طریقہ بھی تشدد و اذیت کا ہے جیسے امریکہ کی حبشی آبادی یا جیسے جنوبی افریقہ کی کالی آبادی کے لیے روا رکھا گیا ہے۔ تیسرا طریقہ انسانی حقوق سے محروم کرنا اور خدمت گار بنا لینا ہے، جیسے ہندوستان میں اچھوت آبادی ہے کہ پانچ ہزار سال سے وہ انسانی شرف سے محروم چلے آتے ہیں۔ اور اونچی قوموں کی خدمت گاری کرتے چلے آتے ہیں۔[1]

---

[1] چوتھا طریقہ کسی قوم کو کولہو میں پیلنے کا یہ ہے کہ اسے فسادات کا نشانہ بنایا جائے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسلام نے ان کے برخلاف یہ طریقہ اختیار کیا کہ محکوم کو شرفِ انسانیت سے ہمکنار کیا جائے۔ سارے انسان ایک کنبہ ہیں اس لیے ان کو باہم خلط ملط ہو جانا چاہیے تاکہ نہ تفریق باقی رہے، نہ تحقیر و تذلیل ہو۔ اس لیے اس نے شادی بیاہ کا طریقہ رائج کیا۔ جب کسی عورت کا بچہ پیدا ہو جاتا ــــــ تو وہ خود بخود آزاد ہو جاتی۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ نسل ہی وہ غلام ہوتے ہیں۔ پھر نہ صرف وہ آزاد ہو جاتے ہیں، بلکہ گھل مل کر ایک بن جاتے ہیں۔ ڈیڑھ نسل کو جو انہیں زیر نگرانی اور زیر انتداب بطور غلام رکھا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ نئے نئے محکوم بنے ہیں، ضرور ان کے دل غیظ و غضب کے جذبات سے لبریز ہوں گے۔ ایک تو اس طرح ایک ایک فرد کی نگرانی صحیح طور پر ہوگی۔ دوسرے ایک ایک فرد کے گھر میں رہ کر وہ گھر کے ایک فرد کی طرح معاملات دیکھے گا، تو وہ نئے ماحول سے مانوس ہو جائے گا اور اس کو پسند کرے گا۔ واضح رہے کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ جو تم خود کھاؤ وہ غلام کو کھلاؤ، جو تم پہنو وہ غلام کو پہناؤ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے متعلق عام روایت میں آتا ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو عام طور پر لوگ پہلے ان کے غلام کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس کے اچھے لباس کی وجہ سے۔

ایک دو نسلوں کے بعد ان غلاموں میں سے وہ لوگ پیدا ہوئے جو عالمِ اسلام میں بلند ترین علم و فضل کے حامل افراد قرار دیے جاتے ہیں۔ امام حسن بصریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام اوزاعیؒ سب موالی غلام یا غلام زادے تھے۔ آج یہ سب مسلمانوں کے امام ہیں، محترم ہیں، مقتدیٰ ہیں۔ اسلام میں غلاموں نے حکومت کی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں خاندانِ غلاماں اور مصر میں خاندانِ ممالیک۔ درحقیقت اسلام میں غلامی قومیانے یا قوم میں جذب کر لینے (NATIONALISATION) کا طریقہ کار تھا۔ اس طریقے سے اسلام نے تمام نسلوں کو، تمام قوموں اور قبیلوں کو ملا کر ایک قومِ اُمتِ مسلمہ بنا دی۔ اسلام کی غلامی سے امریکہ کی غلامی کا دُور دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

بار بار قتلِ عام کیا جائے، ذرائع معاش ختم کیے جائیں، تعلیم سے محروم کیا جائے، ملازمتوں سے نکالا جائے۔ اس کی زبان، تہذیب، معاشرت، قدروں، شعائر اور پرسنل لا کو تباہ کر کے اس کا تشخص باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس کی مثال بھارت اور بعض دوسرے ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والا سلوک ہے۔ (مدیر)

دوسری قوم میں بتا سکتی ہیں کہ رُوس میں کوئی ترکستانی صدر بنا؟ امریکہ میں کوئی حبشی صدر بنا؟ مسیحیت میں کوئی حبشی پوپ بنا؟ آج بھی غیر مسلموں میں سے کوئی مسلمان بن جائے اور اہلِ علم ہو تو ہم اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ مولانا شبلی، مولانا محمد علی، مفتی کفایت اللہ، مولانا عبید اللہ سندھی سب ہندو خاندانوں سے نکل کر آئے تھے۔

قربانی

اعتراض ــــ "اس وحشیانہ رسم کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہر سال حج کے موقع پر کروڑوں جانور ذبح کر ڈالتے ہیں"۔

اگر کسی کو حیوانوں کا چیمپین بننا ہے تو اُس کو مسلمانوں کے باہر بھی دیکھنا چاہیے۔ عیسائی بڑے دن کرسمس کے موقع پر اکیلے شہر نیویارک میں دس لاکھ فیل مُرغ (TURKEY) کھا جاتے ہیں۔ عیسائی دُنیا کے دوسرے شہروں کا حال بھی اسی پر قیاس کر لیں۔ اسی طرح چین میں سردیوں کے ایک تہوار کے موقع پر اکیلے بیجنگ میں ۱۰ لاکھ سانپ کھائے جاتے ہیں۔ جو مہینوں قبل جمع کیے جاتے ہیں۔ چین کے دوسرے شہروں میں بھی اسی طرح کا حال ہے۔ پھر ساری دُنیا میں سائنس کی مختلف لیبارٹریوں میں روزانہ لاکھوں مینڈک، چوہے، خرگوش، بندر وغیرہ پر تجربے ہوتے رہتے ہیں۔ بے رحمانہ طریقے پر ان کو مارا جاتا ہے۔ بعض کو زندہ زہروں اور تیزابوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ حیوانوں کے چیمپین صاحب کا فرض ہے کہ وہ ان سب کے خلاف بھی آوازِ احتجاج بلند کریں۔

ہندو اہنسا کے قائل ہیں مگر صرف گائے کی حفاظت تک ان کی اہنسا محدود ہے۔ دوسرے جانوروں کی بے رحمی سے وہ بھی تعلق نہیں رکھتے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوؤں نے گائے کے تحفظ کے قوانین بنائے اور قربانی بند کرا دی۔ یوپی کے جنگلوں میں ایک جنگلی گائے ہوتی ہے۔ اس کو نیل گائے کہتے ہیں۔ تحفظ کا قانون اس پر بھی لاگو ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں میں ہی اس کی نسل بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ان گایوں کا گلہ جس کھیت پر جا کر پڑتا تھا، اُس کو چٹ کر جاتا تھا۔ سارے کاشتکار فصلوں کے تحفظ کے لیے نیل گائے کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر یوپی کی اسمبلی نے قانون پاس کیا کہ آئندہ سے اس جانور کا نام نیل گائے نہیں، بلکہ نیل گھوڑا ہے۔ اب اُس کو مار سکتے ہیں۔

جن گایوں کا تحفظ ہوتا ہے ان کا حال بھی سُن لیجیے۔ جب تک وہ کارآمد ہوتی ہیں، دُودھ دیتی

ہیں، لوگ ان کو پالتے ہیں، اُن کی نگہداشت کرتے ہیں، لیکن جب اُن کا رفتہ ہو جاتی ہیں، تو لوگ اُن کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اب وہ اُس دکان پہ منہ مارتی ہیں، اس دکان پہ منہ مارتی ہیں۔ دوکان دار مار تو سکتے نہیں ہاتھوں سے دھکے دیتے ہیں۔ ایسی آوارہ اور ناکارہ گایوں کے لیے حکومت نے کانجی ہاؤس بنا رکھے ہیں۔ ان کی تعداد بڑے شہروں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہر محلہ میں انسانوں کے لیے ہسپتال تو بیستر نہیں ہیں، لیکن کانجی ہاؤس اور گئو رکھشا کے گھر قائم ہیں۔ جب وہ مرنے لگتی ہیں اور سسکنے لگتی ہیں تو اُن کو شہر سے باہر ۱۵، ۲۰ میل کے فاصلہ پہ ایک گائے "مرگھٹ" میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ جہاں سسک سسک کر مرجاتی ہیں۔ کتے، بلّی، گدھ، چیل ان کو بھنبھوڑتے رہتے ہیں۔ اور کم از کم دس دس میل کے حلقے میں بدبو پھیلی رہتی ہے۔

کیا جانوروں کا یہ انجام بہتر ہے یا یہ بہتر ہے کہ وقتاً فوقتاً اُن کو ذبح کیا جاتا رہے۔ گائیں بیجا مصیبت اور دردناک موت سے بچ جائیں۔ لوگ بھی گوشت کھائیں، ان کی کھال ہڈی بھی استعمال ہو۔ فیصلہ کیجیے، کون طریقہ بہتر ہے؟

انسانی عقل یک رُخی ہوتی ہے، کسی نہ کسی ایک پہلو کا اس پر غلبہ رہتا ہے اور شریعت کی نظر جامع ہوتی ہے۔ تمام پہلوؤں پر اور تمام نتائج پر نگاہ رکھتی ہے۔ (باقی)

(نفاذ شریعت بل اور اس کے ناقدین)

۳۔ ملک میں شدید دعوتی و تبلیغی بحران پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی پستیوں میں گرتا جارہا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ تمام دینی عناصر ایک دوسرے کے تعاون سے ملک میں پائے جانے والے اس تبلیغی خلا کو پُر کرنے کی کوشش کریں۔ تبلیغ کے ذریعے رائے عامہ کی تربیت کریں۔ اور پھر اسے منظم کر کے اس کی قوت کو شریعت کی بالادستی کی تحریک کے حق میں استعمال کریں، تاکہ جب یہ تحریک ظفریابی کی منزل کو پہنچے تو اس مقصد کے لیے ایک طرف باصلاحیت مردان کار کی موزوں ٹیم بھی میدان میں موجود ہو۔ اور دوسری طرف رائے عامہ کی منظم قوت بھی اس کی پشت پناہ ہو، تاکہ سازشی عناصر کے مکر و فریب کی چالیں کامیاب نہ ہو سکیں۔